ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1973

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: اصولِ تحقیق (1973)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر: 6تا9)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ کے جوابات اصولِ تحقیق کے عمومی اور مسلمہ علمی مباحث کی روشنی میں مرتب کیے گئے ہیں؛ کسی مخصوص نصابی نکتے کی حتمی تصدیق کے لیے نصابی کتاب اور اپنے نگران سے رجوع ضرور کریں۔

طریقہ کار: ہر جواب تعارف، ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث اور اختتام پر مشتمل ہے۔ جہاں سوال کا تقاضا ہوا وہاں جدول اور خاکہ بھی دیا گیا ہے تاکہ طالب علم نکتے کو منظم انداز میں یاد کر سکے اور امتحان و مشق میں بہتر ترتیب کے ساتھ لکھ سکے۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

امتحانی مشق نمبر 2 یونٹ 6 تا 9 پر مشتمل ہے اور اس کا محور تحقیق کا عملی پہلو ہے: مواد کہاں سے اور کیسے حاصل کیا جائے، اسے دستاویزی صورت کیسے دی جائے، اور تحریر میں حوالے و اقتباس کے اصول کیا ہوں۔ پانچ سوالات بالترتیب ہیں: حصولِ مواد کے قدیم و جدید ذرائع، انٹرویو و مشاہدات و مکینیکل آلات پر نوٹس، حوالہ دینے کی اہمیت و مقامات، نگرانِ مقالہ کے اوصاف، اور اقتباس کے قواعد و احتیاطیں۔ یہ سوالات اس طالب علم کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں جو ساتھ ہی اپنا تحقیقی پروجیکٹ بھی مکمل کر رہا ہو، کیونکہ ان کے جوابات دراصل پروجیکٹ کے عملی مسائل ہی کے حل ہیں۔ ہر گائیڈ میں جواب مفصل و منظم انداز میں پیش کیا گیا ہے اور جداول و خاکوں سے نکات کو قابلِ یاد صورت دی گئی ہے؛ طالب علم ان سے سمجھ کر اپنے الفاظ میں تحریر کرے تو یہی اس گائیڈ کا اصل مقصد پورا ہو گا۔

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: حصولِ مواد کے قدیم و جدید ذرائع پر تفصیلی مضمون تحریر کیجیے۔

تعارف

تحقیق کی عمارت مواد پر کھڑی ہوتی ہے۔ خاکہ کتنا ہی عمدہ ہو اور بنیادی سوال کتنا ہی واضح ہو، اگر محقق کے پاس معتبر، کافی اور متعلقہ مواد نہ ہو تو تحقیق آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس لیے حصولِ مواد کو تحقیق کے عملی مراحل میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مواد سے مراد وہ تمام معلومات، شواہد، متون اور اعداد ہیں جن کی بنیاد پر محقق اپنے سوال کا جواب تیار کرتا ہے، اور ذرائع سے مراد وہ وسیلے ہیں جہاں سے یہ مواد حاصل کیا جاتا ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ان ذرائع میں بنیادی تبدیلی آئی ہے: ایک دور تھا جب مواد صرف مخطوطات، کتب خانوں اور زبانی روایت تک محدود تھا، آج ڈیجیٹل لائبریریاں اور عالمی ڈیٹا بیس ایک نشست میں ہزاروں مآخذ کھول دیتے ہیں۔ تاہم یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ جدید ذرائع نے قدیم ذرائع کو ختم کر دیا ہے؛ دینی و تاریخی تحقیق میں آج بھی اصل مخطوطہ اور قدیم دستاویز کی وہ اہمیت ہے جو کسی ڈیجیٹل نقل کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس مضمون میں پہلے قدیم ذرائع، پھر جدید ذرائع تفصیل سے بیان کیے جائیں گے اور آخر میں دونوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

حصولِ مواد کے قدیم ذرائع

قدیم ذرائع سے مراد وہ وسیلے ہیں جو چھاپے خانے اور جدید ٹیکنالوجی سے پہلے رائج تھے اور جن میں سے بیشتر آج بھی تحقیقی قدر رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا اور اہم ذریعہ مخطوطات ہیں، یعنی ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخے۔ صدیوں تک علم کی منتقلی انہی کے ذریعے ہوتی رہی؛ کتب خانوں میں محفوظ یہ نسخے آج بھی کسی متن کی اصل صورت، اس کی روایت اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھنے کا بنیادی ذریعہ ہیں۔ دوسرا ذریعہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب اور رسائل ہیں؛ قدیم کتب کے قلمی و ابتدائی مطبوعہ نسخے محقق کو مصنف کے دور کی فکر سے جوڑتے ہیں۔ تیسرا ذریعہ سرکاری و غیر سرکاری دستاویزات ہیں، جیسے فرامین، معاہدے، علمی اجازے، وقف نامے اور خطوط؛ یہ دستاویزات تاریخ و سیرت کی تحقیق میں بنیادی ثبوت کا درجہ رکھتی ہیں۔ چوتھا ذریعہ کتبے، سکے اور آثارِ قدیمہ ہیں؛ کتابات، مساجد و مقابر کے کتبے اور دور کے سکے اس زمانے کی زبان، سیاست اور معاشرت پر وہ روشنی ڈالتے ہیں جو کتابوں میں نہیں ملتی۔ پانچواں ذریعہ زبانی روایت ہے؛ اساتذہ سے سنی ہوئی سرمیں، اہلِ علم کی مجالس اور اہلِ فن کی زبانی معلومات اسی ضمن میں آتی ہیں، جنہیں محدثین نے سماع و روایت کے سخت اصولوں کے تحت محفوظ رکھا۔ چھٹا ذریعہ سفرنامے اور خودنوشت سوانح ہیں، جو اپنے دور کے سماج و تہذیب کا زندہ نقشہ پیش کرتے ہیں۔ ان قدیم ذرائع کی خوبی ان کی اصلیت اور بنیادی حیثیت ہے، جبکہ ان کی کمزوری ان تک رسائی کی دشواری، محدود تعداد اور ان کے زبان و رسم الخط کو پڑھنے کی مخصوص مہارت ہے۔ محقق کو ان ذرائع کے استعمال میں نقل کی غلطیوں، نسخوں کے اختلاف اور متن کی تخریج کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔

حصولِ مواد کے جدید ذرائع

جدید ذرائع سے مراد وہ وسیلے ہیں جو طباعت کی ترقی اور خاص طور پر کمپیوٹر و انٹرنیٹ کے دور میں عام ہوئے۔ ان میں پہلا ذریعہ جدید مطبوعہ کتب و تحقیقی مجلات ہیں؛ ہر سال ہزاروں کتب اور سیکڑوں اہلِ تحقیق کے مقالات شائع ہوتے ہیں جو محقق کو تازہ ترین علمی صورتِ حال سے جوڑتے ہیں۔ دوسرا ذریعہ اخبارات و رسائل ہیں جو معاصر واقعات و رجحانات کا فوری ریکارڈ مہیا کرتے ہیں، خصوصاً معاصر تاریخ و سماجی تحقیق میں ان کی اہمیت بنیادی ہے۔ تیسرا اور انقلابی ذریعہ انٹرنیٹ اور ڈیجیٹل لائبریریاں ہیں؛ آن لائن ذخائر میں لاکھوں کتب، مخطوطات کی تصاویر، مقالات اور انسائیکلوپیڈیا گھر بیٹھے دستیاب ہیں، اور تلاش کے جدید نظام (search) کی بدولت مطلوبہ عبارت لمحوں میں مل جاتی ہے۔

چوتھا ذریعہ الیکٹرانک ڈیٹا بیس اور فہرستیں ہیں جن سے دنیا کے بڑے کتب خانوں میں موجود مواد کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ پانچواں ذریعہ آڈیو و ویڈیو مواد ہے؛ لیکچرز، کانفرنسوں کی ریکارڈنگ اور دستاویزی پروگرام خصوصاً زبانی تاریخ اور جدید موضوعات میں مفید مواد دیتے ہیں۔ چھٹا ذریعہ میدانی وسائل ہیں، یعنی انٹرویو، سوالنامہ اور مشاہدہ، جن کے ذریعے وہ زندہ مواد ملتا ہے جو کسی کتاب میں نہیں ہوتا؛ اگلے سوال میں ان کا الگ تفصیلی ذکر آئے گا۔ ساتواں ذریعہ ای میل و علمی روابط کے ذریعے ماہرین سے براہِ راست رہنمائی و مواد کی فراہمی بھی جدید دور کی اہم سہولت ہے۔ جدید ذرائع کی خوبی رفتار، وسعت اور آسانی ہے، جبکہ ان کی کمزوری یہ ہے کہ ان میں غیر مصدقہ اور غیر معتبر مواد بھی بڑی مقدار میں موجود ہے، اور نقل شدہ مواد میں غلطیوں کا امکان بھی رہتا ہے۔ اس لیے جدید ذریعے سے لی گئی ہر اہم بات کو اصل و معتبر ماخذ سے ملا کر تصدیق کرنا محقق کی ذمہ داری ہے۔



Figure 1: Old and new sources for the collection of research material

خاکہ 1: حصولِ مواد کے قدیم و جدید ذرائع (نام انگریزی رسم الخط میں صرف خاکے کی تکنیکی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں)

تقابلی جائزہ اور محقق کے لیے عملی رہنمائی

قدیم و جدید ذرائع کا موازنہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متبادل نہیں بلکہ تکمیلی ہیں۔ قدیم ذرائع بنیاد اور اصل ہیں؛ ان کے بغیر تاریخی و متنی تحقیق کا ثبوت کمزور رہتا ہے۔ جدید ذرائع رسائی اور وسعت ہیں؛ ان کے بغیر محقق کا وقت ضائع ہوتا ہے اور وہ اپنے موضوع کی موجودہ علمی صورتِ حال سے کٹ جاتا ہے۔ کامیاب محقق دونوں کو جوڑ کر چلتا ہے: وہ دریافت جدید ذرائع سے کرتا ہے مگر استناد اصل و قدیم ماخذ سے کرتا ہے، اور جہاں جدید نقل اور قدیم اصل میں اختلاف ہو وہاں اصل کو ترجیح دیتا ہے۔ عملی طور پر حصولِ مواد کے لیے طالب علم کو یہ ترتیب رکھنی چاہیے: پہلے موضوع کی کتابیات تیار کرے، پھر قریبی کتب خانوں و اپنے ادارے کے ذخیرے سے بنیادی کتب حاصل کرے، پھر ڈیجیٹل ذرائع سے مقالات و تکمیلی مواد تلاش کرے، اور ہر حاصل شدہ شے کا مکمل حوالہ اسی وقت درج کرتا جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مواد کی کثرت مقصد نہیں؛ متعلقہ و معتبر مواد ہی تحقیق کو مضبوط کرتا ہے، غیر متعلق مواد کا انبار تحقیق کو کمزور اور منتشر بناتا ہے۔ اسی طرح مواد جمع کرتے وقت تنقیدی نظر برقرار رکھنا ضروری ہے، تاکہ حصول کے مرحلے ہی میں کمزور مواد کی چھانٹی ہو جائے۔

جدول 1: قدیم و جدید ذرائع کا موازنہ

پہلو	قدیم ذرائع	جدید ذرائع
مثالیں	مخطوطات، کتبے، سکے، دستاویزات	ڈیجیٹل کتب، ڈیٹا بیس، انٹرنیٹ، آڈیو ویڈیو
سب سے بڑی خوبی	اصلیت و بنیادی استناد	رفتار، وسعت اور آسان رسائی
بڑی کمزوری	رسائی مشکل، مخصوص مہارت درکار	غیر مصدقہ مواد کی آمیزش
محقق سے تقاضا	نسخوں کی پرکھ و رسم الخط کی مہارت	ہر بات کی اصل ماخذ سے تصدیق

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حصولِ مواد کے قدیم ذرائع میں مخطوطات، قدیم کتب، دستاویزات، کتبے و سکے، آثارِ قدیمہ، زبانی روایات اور سفر نامے شامل ہیں، جبکہ جدید ذرائع میں جدید مطبوعہ کتب و مجلات، اخبارات، انٹرنیٹ و ڈیجیٹل لائبریریاں، آڈیو و ویڈیو مواد اور میدانی وسائل قابلِ ذکر ہیں۔ دونوں کی اپنی اہمیت ہے؛ قدیم ذرائع تحقیق کو اصل و استناد دیتے ہیں اور جدید ذرائع اسے وسعت و رفتار مہیا کرتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ محقق جدید ذرائع سے حاصل شدہ مواد کی تصدیق کا اہتمام کرے اور قدیم ذرائع کی پرکھ کی مہارت سیکھے، تو اس کی تحقیق بنیاد میں بھی مضبوط ہو گی اور پیشکش میں بھی تازہ۔ یہی متوازن طریقہ ہر اُس طالب علم کو اپنے پروجیکٹ کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔

سوال نمبر 2 (20 نمبر)

سوال: مندرجہ ذیل پر نوٹ لکھیے: (1) حصولِ مواد میں انٹرویو (2) مشاہدات (3) مکینیکل آلات

تعارف

حصولِ مواد کے تمام ذرائع کتابوں تک محدود نہیں ہوتے۔ بہت سے موضوعات ایسے ہیں جن کا اصل مواد انسانوں کے مشاہدات، تجربات اور حافظے میں محفوظ ہوتا ہے، اور بعض مواد کو درست طور پر محفوظ کرنے کے لیے مشینی وسائل کی مدد ناگزیر ہو جاتی ہے۔ سوال میں دیے گئے تین نکات اسی میدانی و عملی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں: انٹرویو کے ذریعے اہلِ تجربہ و ماہرین سے براہِ راست معلومات لی جاتی ہیں، مشاہدے کے ذریعے محقق خود واقعات و حالات کو دیکھ کر مواد حاصل کرتا ہے، اور مکینیکل آلات، یعنی ٹیپ ریکارڈر، کیمرہ، ویڈیو اور کمپیوٹر جیسے مشینی وسائل، اس سارے عمل کو محفوظ، درست اور قابلِ مراجعہ بناتے ہیں۔ دینی تحقیق میں ان وسائل کا استعمال تاریخی و متنی تحقیق کے مقابلے میں نسبتاً محدود ہے، مگر معاصر دینی رجحانات، تعلیمی اداروں، علمی شخصیات کی سوانح اور سماجی و دینی مسائل کی تحقیق میں یہ وسائل ناگزیر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس جواب میں تینوں پر الگ الگ نوٹ پیش کیا جائے گا۔

نوٹ 1: حصولِ مواد میں انٹرویو

انٹرویو سے مراد وہ منصوبہ بند گفتگو ہے جس میں محقق کسی شخص سے اپنے موضوع سے متعلق سوالات کر کے معلومات حاصل کرتا ہے۔ انٹرویو کی دو بڑی صورتیں ہیں: منظم انٹرویو، جس میں سوالات پہلے سے تیار اور مقررہ ترتیب میں ہوتے ہیں، اور غیر منظم انٹرویو، جس میں گفتگو آزادانہ چلتی ہے اور محقق موقع کے مطابق سوالات بڑھاتا ہے؛ علمی شخصیات کی سوانح و آراء کے لیے دوسری صورت عموماً زیادہ مفید رہتی ہے۔ انٹرویو کی کامیابی کے لیے محقق کو پہلے انٹرویو دینے والے کے بارے میں اور موضوع کے بارے میں تیاری کرنی چاہیے، سوالات کی فہرست مرتب کرنی چاہیے، وقت و جگہ کا تعین باہمی سہولت سے کرنا چاہیے، اور دورانِ گفتگو نوٹس لینے یا ریکارڈنگ کی اجازت پہلے سے لے لینی چاہیے۔ گفتگو میں محقق کا رویہ نرمی، توجہ اور غیر جانبداری کا ہونا چاہیے؛ وہ جواب کو کاٹے نہیں، اپنی رائے مسلط نہ کرے، اور حساس نقاط پر وضاحت کے لیے تکمیلی سوال ضرور کرے مگر بحث میں نہ الجھے۔ انٹرویو سے حاصل شدہ مواد کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ زندہ اور انوکھا ہوتا ہے، مگر اس کے ساتھ اس میں حافظے کی خطا، ذاتی تاثر اور مبالغے کا امکان بھی رہتا ہے، اس لیے اہم باتوں کی تصدیق دوسرے ذرائع سے کرنا ضروری ہے۔ تحریر میں انٹرویو کا حوالہ تاریخ و شخص کے نام کے ساتھ دیا جاتا ہے تاکہ قاری اس کی نوعیت کو سمجھ سکے۔ یادیں محفوظ کرنے کی یہی صورت ماضی میں روایت و سماع کی شکل میں بھی موجود رہی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آج ریکارڈنگ کی سہولت نے اس کی درستگی کو کہیں بڑھا دیا ہے۔

نوٹ 2: مشاہدات

مشاہدہ حصولِ مواد کا وہ ذریعہ ہے جس میں محقق خود کسی واقعے، عمل، جگہ یا رویے کو دیکھ کر منظم طور پر معلومات درج کرتا ہے۔ مشاہدے کی دو بڑی قسمیں ہیں: شریک مشاہدہ، جس میں محقق اس گروہ یا عمل کا حصہ بن کر اندر سے دیکھتا ہے، اور غیر شریک مشاہدہ، جس میں وہ باہر رہ کر غیر جانبدارانہ طور پر مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی طرح مشاہدہ منظم بھی ہو سکتا ہے، جس میں پہلے سے طے شدہ نکات کی فہرست کے مطابق چیزیں دیکھی جاتی ہیں، اور غیر منظم بھی، جس میں عمومی جائزہ لیا جاتا ہے۔ مشاہدے کی خوبی یہ ہے کہ یہ براہِ راست اور بلاواسطہ مواد دیتا ہے؛ جو بات کتابوں یا بیانات میں چھپ سکتی ہے، آنکھ اسے دیکھ لیتی ہے۔ اسکولوں، دینی اداروں، عبادت گاہوں کی سرگرمیوں اور سماجی

رسموں کی تحقیق میں مشاہدہ بنیادی ذریعہ بنتا ہے۔ تاہم مشاہدے کی حدود بھی واضح ہیں: مشاہدہ کرنے والا اپنے پیشگی تاثرات سے متاثر ہو سکتا ہے، اس لیے اسے غیر جانبداری کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے؛ مشاہدے کے نوٹس اسی وقت یا فوراً بعد لکھنے چاہئیں، کیونکہ تاخیر سے تفصیلات حافظے سے محو ہو جاتی ہیں؛ اور جن لوگوں کا مشاہدہ کیا جا رہا ہو ان کی نجی زندگی و اجازت کا اخلاقی خیال بھی ضروری ہے۔ اگر مشاہدہ منظم فہرست، فوری نوٹ سازی اور غیر جانبداری کے ساتھ کیا جائے تو یہ تحقیق کو ایسا ٹھوس مواد دیتا ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

نوٹ 3: مکینیکل آلات

مکینیکل آلات سے مراد وہ مشینی وسائل ہیں جن کی مدد سے مواد کو درست طور پر محفوظ، نقل اور تجزیے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ ان میں سب سے معروف ٹیپ ریکارڈر و آڈیو ریکارڈنگ ہے، جس سے انٹرویو اور لیکچر اصل الفاظ و لہجے کے ساتھ محفوظ ہو جاتا ہے اور محقق بعد میں اسے بار بار سن کر درست نقل کر سکتا ہے۔ دوسرا اہم آلہ کیمرہ ہے، جس سے مخطوطات، کتبوں، دستاویزات اور تاریخی مقامات کی تصاویر مواد کا مستقل ثبوت بن جاتی ہیں؛ آج کے دور میں مخطوطے کی تصویر حاصل کر لینا اس کے اصل نسخے تک رسائی کا بہترین متبادل ہے۔ تیسرا آلہ ویڈیو ریکارڈنگ ہے، جو مشاہدے کے لیے خاص طور پر مفید ہے کیونکہ یہ حرکت، عمل اور ماحول کو یکجا محفوظ کرتی ہے۔ چوتھا اور سب سے ہمہ گیر آلہ کمپیوٹر ہے، جو مواد کی ذخیرہ سازی، تلاش، ترتیب، موازنہ اور تحریر، ہر مرحلے میں محقق کا معاون ہے؛ جدید اسکینر اور متن شناسی (OCR) کی سہولتوں نے قدیم مواد کی منتقلی کو بھی آسان کر دیا ہے۔ ان آلات کے استعمال میں چند احتیاطیں ضروری ہیں: ریکارڈنگ سے پہلے متعلقہ شخص کی اجازت لی جائے؛ آلات کی فنی خرابی سے بچنے کے لیے آزمائش پہلے کر لی جائے اور مواد کی متبادل نقل (backup) محفوظ رکھی جائے؛ اور سب سے اہم یہ کہ آلہ محقق کا معاون ہے، متبادل نہیں؛ آخری جانچ، تصدیق اور تجزیہ انسان ہی کی ذمہ داری رہتی ہے۔ مکینیکل آلات کی بدولت آج کی تحقیق میں درستگی اور دستاویزی ثبوت کی وہ سطح ممکن ہوئی ہے جو محض حافظے و ہاتھ کے نوٹس سے ممکن نہ تھی۔

جدول 1: تینوں ذرائع کا خلاصہ

ذریعہ	مواد کی نوعیت	بڑی خوبی	بڑی احتیاط

حافظے کی خطا و ذاتی تاثر کی تصدیق	زندہ، انوکھا اور براہِ راست مواد	ماہرین و اہلِ تجربہ کی زبانی معلومات	انٹرویو
غیر جانبداری و فوری نوٹ سازی	بلاواسطہ، ٹھوس شواہد	واقعات و رویوں کا براہِ راست جائزہ	مشاہدہ
اجازت، فنی جانچ و نقل محفوظ رکھنا	درستگی و مستقل دستاویزی ثبوت	ریکارڈنگ، تصاویر و ڈیجیٹل ذخیرہ	مکینیکل آلات

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حصولِ مواد کے یہ تینوں ذرائع کتابی ذرائع کی تکمیل کرتے ہیں۔ انٹرویو انسانوں کے حافظے و تجربے میں دفن مواد کو باہر لاتا ہے اور اس کی کامیابی تیاری، نرمی اور غیر جانبداری میں ہے۔ مشاہدہ محقق کو براہِ راست حقیقت سے جوڑتا ہے اور اس کی شرط منظم فہرست و فوری نوٹ سازی ہے۔ مکینیکل آلات اس سارے مواد کو درست و محفوظ بنا کر تحقیق کو دستاویزی مضبوطی عطا کرتے ہیں، بشرطیکہ اجازت و فنی احتیاط کا خیال رکھا جائے۔ طالب علم کو اپنے پروجیکٹ میں موضوع کی نوعیت دیکھ کر ان میں سے جو ذریعہ مناسب ہو اسے کتابی ذرائع کے ساتھ جوڑ کر استعمال کرنا چاہیے؛ یہی امتزاج اس کی تحقیق کو زندہ بھی بنائے گا اور مستند بھی۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: حوالہ دینے کی اہمیت، افادیت اور حوالے دینے کے مقامات تحریر کیجیے۔

تعارف

حوالہ تحقیق کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ حوالے سے مراد یہ ہے کہ محقق اپنے مقالے میں جہاں کسی دوسرے مصنف کی بات، دلیل، عبارت یا معلومات استعمال کرے، وہاں اس ماخذ کی واضح نشاندہی کر دے کہ یہ بات کہاں سے لی گئی ہے۔ بلا حوالہ لکھی گئی تحقیق علمی دنیا میں ادھوری اور مشکوک سمجھی جاتی ہے، چاہے اس کا مواد کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، کیونکہ قاری کے پاس اس کی جانچ کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اسلام نے علمی امانت کا جو تصور دیا ہے، حوالہ اسی کا عملی مظہر ہے؛ محدثین کی اسناد کا پورا نظام دراصل حوالے ہی کی سب سے

عظیم شکل تھا، جس میں ہر خبر اس کے کہنے والے تک جوڑ کر بیان کی جاتی تھی۔ اس جواب میں پہلے حوالے کی اہمیت وافادیت بیان کی جائے گی اور پھر مقالے میں حوالے دینے کے مقامات اور ان کے اصول واضح کیے جائیں گے۔ طالب علم کے لیے یہ موضوع اس لیے بھی بنیادی ہے کہ BS پروجیکٹ کی جانچ میں حوالہ جات کا نظام ان پہلوؤں میں سے ہے جن پر نگران و ممتحن سب سے پہلے نظر ڈالتے ہیں۔

حوالہ دینے کی اہمیت وافادیت

حوالہ دینے کی اہمیت کئی جہتوں سے واضح ہوتی ہے۔ سب سے پہلی جہت علمی امانت و دیانت ہے۔ کسی دوسرے کی محنت کو اس کے نام کے بغیر اپنا بنا کر پیش کرنا سرقہ کہلاتا ہے اور علمی اخلاقیات میں سنگین جرم ہے؛ حوالہ محقق کو اس جرم سے بچاتا ہے اور اہلِ علم کے حقوق محفوظ کرتا ہے۔ دوسری جہت تصدیق پذیری ہے؛ حوالہ موجود ہو تو کوئی بھی قاری اصل کتاب کھول کر دیکھ سکتا ہے کہ محقق نے بات درست نقل کی ہے یا اپنے مفہوم میں بدل دی ہے۔ یہی امکان تحقیق کو قابلِ اعتماد بناتا ہے۔ تیسری جہت قاری کی رہنمائی ہے؛ حوالوں کے ذریعے قاری کو موضوع کے اصل و بنیادی مآخذ تک پہنچنے کا راستہ ملتا ہے، اس لیے اچھا حوالہ نظام دراصل آنے والے محققین کے لیے نقشہ راہ ہوتا ہے۔ چوتھی جہت خود محقق کی سند ہے؛ درست و مکمل حوالے اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ محقق نے سنجیدہ مطالعہ کیا ہے اور اس کے مآخذ وسیع و معتبر ہیں، اس سے اس کے کام کا علمی وزن بڑھتا ہے۔ پانچویں جہت اختلاف کی صورت میں فیصلے کی سہولت ہے؛ اگر محقق کی تشریح پر اعتراض ہو تو حوالے کی موجودگی میں اصل متن دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ غلطی کس کی ہے۔ چھٹی جہت یہ ہے کہ حوالہ محقق کو خود احتسابی پر مجبور کرتا ہے؛ جب وہ جانتا ہے کہ ہر بات کا ماخذ لکھنا ہے تو وہ کمزور و غیر معتبر ذرائع سے گریز کرنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس بلا حوالہ تحریر میں نقل کی غلطیاں چھپ جاتی ہیں، موضوع روایات اور بے بنیاد باتیں بھی مستند لگنے لگتی ہیں، اور بعد میں آنے والے محقق اسی غلطی کو آگے بڑھا دیتے ہیں۔ دینی تحقیق میں اس خطرے کی سنگینی دوچند ہو جاتی ہے، کیونکہ یہاں کسی غلط بات کی نسبت دین سے جڑ سکتی ہے؛ اسی لیے اہلِ علم نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ ہر منقول بات اپنے ماخذ کے ساتھ ہی بیان کی جائے۔

حوالے دینے کے مقامات

مقالے میں حوالہ دینے کے چند معروف مقامات وصورتیں ہیں، جن کا انتخاب ادارے کی مقررہ ہدایات ومنتخب اسلوب کے مطابق کیا جاتا ہے۔ پہلا مقام متن کے اندر حوالہ ہے، جس میں عبارت یا نکتے کے فوراً بعد قوسین میں مصنف کا نام، کتاب کا نام اور صفحہ نمبر (اور بعض اسالیب میں سن اشاعت) درج کر دیا جاتا ہے؛ یہ صورت آج کے اکادمی نظام میں عام ہے اور قاری کو اسی جگہ ماخذ مل جاتا ہے۔ دوسرا مقام صفحے کے نچلے حصے کا حاشیہ (footnote) ہے، جو کلاسیکی و دینی تحقیق میں خاص طور پر پسند کیا جاتا ہے؛ اس میں نمبر لگا کر صفحے کے آخر میں ماخذ کی تفصیل درج کی جاتی ہے اور قرآنی آیات کے حوالے، مشکل الفاظ کی شرح اور تکمیلی توضیحات بھی بسا اوقات اسی حاشیے میں دی جاتی ہیں۔ تیسری صورت باب کے آخر میں حوالہ جات کی فہرست ہے، جہاں پورے باب میں استعمال شدہ مآخذ یکجا درج کر دیے جاتے ہیں۔ چوتھا اور لازمی مقام مقالے کے آخر میں مجموعی کتابیات (bibliography) ہے، جس میں تمام استعمال شدہ کتب و مقالات حروفِ تہجی یا کسی مقررہ ترتیب سے مصنف، کتاب، ناشر، مقام و سن اشاعت کے ساتھ درج ہوتے ہیں۔ ان مقامات کے علاوہ جدولوں و خاکوں کے نیچے بھی ان کے ماخذ کا حوالہ دینا اصول ہے۔ حوالے میں عام طور پر یہ عناصر لازم ہوتے ہیں: مصنف کا نام، کتاب یا مقالے کا نام، اگر کوئی خاص باب و فصل ہو تو اس کا ذکر، ناشر و مقامِ اشاعت، سن اشاعت و طبع، اور صفحہ نمبر۔ جس حوالے میں صفحہ نمبر نہ ہو وہ آدھا حوالہ کہلاتا ہے، کیونکہ سینکڑوں صفحات کی کتاب میں مطلوبہ بات تلاش کرنا قاری کے لیے عملی طور پر ناممکن ہو جاتا ہے۔ ذیل کا خاکہ ان مقامات کو ایک نظر میں پیش کرتا ہے۔

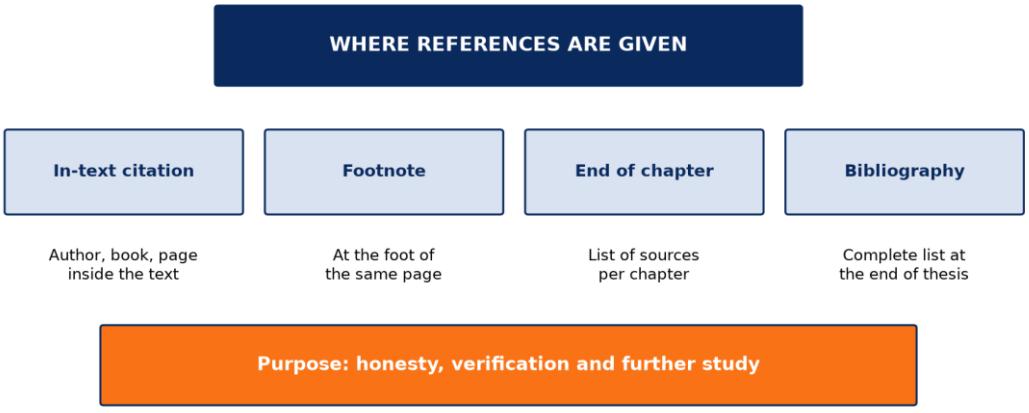

Figure 2: Places of giving references in a research work (Question 3)

خاکہ 1: مقالے میں حوالے دینے کے مقامات (نام انگریزی رسم الخط میں صرف خاکے کی تکنیکی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں)

حوالہ دیتے وقت بنیادی اصول واحتیاطیں

حوالے کے مقامات کے ساتھ اس کے چند اصول جاننا بھی ضروری ہے۔ پہلا اصول یکسانیت ہے؛ پورے مقالے میں ایک ہی اسلوب وترتیب کی پابندی کی جائے، کبھی ایک صورت اور کبھی دوسری صورت اختیار نہ کی جائے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ حوالہ اصل ماخذ کا دیا جائے؛ اگر محقق نے بات کسی دوسری کتاب کے واسطے سے لی ہے تو ایمانداری کا تقاضا ہے کہ واسطے کا بھی ذکر ہو، ورنہ یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اصل کتاب دیکھی گئی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ تیسرا اصول دقت ہے؛ ناموں کی املا، کتاب کے نام اور صفحات کی جانچ کر لی جائے، غلط حوالہ نہ دینے سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے کیونکہ یہ قاری کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ چوتھا اصول یہ کہ عام معروف حقائق، مثلاً مشہور تاریخی تاریخوں یا سب کے جانے ہوئے عمومی نکات پر حوالے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جہاں کوئی خاص دعویٰ، اعداد، اقتباس یا اختلاف رائے پیش ہو وہاں حوالہ ناگزیر ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ انٹرویو یا نجی خط کتابت جیسے غیر مطبوعہ ذرائع کے حوالے میں ان کی نوعیت صاف لکھی جائے تاکہ قاری انہیں مطبوعہ ماخذ نہ سمجھ بیٹھے۔ جدید دور میں حوالہ اسالیب کے بین الاقوامی نمونے، مثلاً مصنف۔سال صورت، بھی رائج ہیں؛ طالب علم کو اپنے شعبے کی مقررہ صورت ہی اختیار کرنی چاہیے اور اس بارے میں نگران سے پہلے ہی وضاحت لے لینی چاہیے۔

جدول 1: حوالے کے مقامات اور ان کی خصوصیات

مقام	صورت	خاص فائدہ
متن کے اندر	قوسین میں مصنف، کتاب، صفحہ	قاری کو اسی جگہ ماخذ مل جاتا ہے
حاشیہ (footnote)	صفحے کے نچلے حصے میں تفصیل	توضیحات و آیات کے حوالے کے لیے موزوں
باب کے آخر میں	باب وار ماخذ کی فہرست	ہر باب کے ذرائع یکجا نظر آتے ہیں

مجموعی مآخذ و مطالعے کا ثبوت	مقالے کے آخر میں مکمل فہرست	کتابیات

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حوالہ دینا تحقیق کی امانت، تصدیق پذیری، قاری کی رہنمائی اور محقق کے علمی وقار کی بنیاد ہے؛ یہ محقق کو سرقے کے الزام سے بچاتا ہے اور آنے والے محققین کے لیے راستہ کھولتا ہے۔ حوالے کے مقامات میں متن کے اندر حوالہ، صفحے کا حاشیہ، باب کے آخر کی فہرست اور مقالے کے آخر کی مجموعی کتابیات شامل ہیں، اور ہر حوالے میں مصنف، کتاب، ناشر، سن اشاعت اور صفحہ نمبر جیسے عناصر کی درستگی، یکسانیت اور اصل ماخذ کی دیانت داری ناگزیر شرائط ہیں۔ جو طالب علم اپنے پروجیکٹ کے آغاز سے ہی نوٹ سازی کے مرحلے میں مکمل حوالے درج کرنے کی عادت ڈال لے، اس کے لیے آخر میں حوالہ جات کی ترتیب محض ایک آسان تکمیلی کام رہ جاتی ہے؛ اور یہی عادت اسے ایک قابلِ اعتماد محقق ثابت کرتی ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: نگرانِ مقالہ کے اوصاف پر جامع اور مفصل نوٹ لکھیے۔

تعارف

تحقیقی مقالہ محض طالب علم کی انفرادی محنت کا نام نہیں ہوتا؛ اس کے پیچھے ایک تجربہ کار استاد کی رہنمائی بھی شامل ہوتی ہے جسے نگرانِ مقالہ کہا جاتا ہے۔ نگران وہ اہلِ علم شخصیت ہے جو موضوع کے انتخاب سے لے کر زبانی امتحان تک طالب علم کی علمی رہنمائی کرتی ہے، اس کی غلطیوں کی بروقت نشاندہی کرتی ہے اور اس کے کام کو ادارے کے معیار کے مطابق ڈھالنے میں مدد دیتی ہے۔ نگران کی اہلیت و کردار کا اثر پورے مقالے کے معیار پر پڑتا ہے؛ اچھا نگران اوسط طالب علم سے بھی معیاری کام لے لیتا ہے جبکہ لاپروا نگرانی اچھے طالب علم کے کام کو بھی کمزور کر دیتی ہے۔ اسی لیے اصولِ تحقیق میں نگران کے اوصاف پر باقاعدہ بحث کی جاتی ہے۔ اس نوٹ میں نگرانِ مقالہ کے علمی،

اخلاقی اور عملی اوصاف کو جامع و مفصل انداز میں بیان کیا جائے گا، اور ساتھ یہ بھی واضح کیا جائے گا کہ ان اوصاف کا طالب علم اور مقالے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ طالب علم کے لیے اس بحث کا فائدہ دوہرا ہے: ایک یہ کہ وہ نگران سے اپنے حقوق و توقعات کو سمجھتا ہے، دوسرا یہ کہ مستقبل میں جب وہ خود استاد بنے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ نگرانی کس کردار کا نام ہے۔

علمی اوصاف: تخصص، تجربہ اور مطالعے کی وسعت

نگران کا پہلا وصف اس کے شعبے میں علمی قابلیت و تخصص ہے۔ نگران کو اس مضمون میں باقاعدہ تعلیم و مہارت حاصل ہو جس میں طالب علم تحقیق کر رہا ہو؛ خصوصاً جس موضوع پر مقالہ لکھا جا رہا ہو اس کے بنیادی مآخذ، اہم مسائل اور تازہ ترین علمی بحثوں سے اس کی واقفیت ضروری ہے۔ اگر نگران خود موضوع کے میدان سے باہر ہو تو وہ طرز و اسلوب کی رہنمائی تو کر سکتا ہے مگر مواد کی جانچ اس کے لیے مشکل ہو جاتی ہے۔ دوسرا وصف تحقیقی تجربہ ہے؛ نگران نے خود مقالات و کتب تصنیف کی ہوں یا کم از کم تحقیقی طریقہ کار کی عملی تربیت رکھتا ہو، کیونکہ تحقیق کتابوں سے پڑھ کر اتنی نہیں آتی جتنی کر کے آتی ہے، اور تجربہ کار نگران طالب علم کو ان عملی الجھنوں سے بچا لیتا ہے جن کا ذکر کتابوں میں کم ہی ملتا ہے۔ تیسرا وصف مطالعے کی وسعت و تازگی ہے؛ نگران کو اپنے میدان کی نئی کتب و مجلات سے باخبر رہنا چاہیے تاکہ وہ طالب علم کی کتابیات کو جدید مآخذ سے جوڑ سکے اور اسے پرانے یا حل شدہ مسئلے پر محنت ضائع کرنے سے روک سکے۔ چوتھا وصف زبان و اسلوب پر گرفت ہے؛ نگران طالب علم کی تحریر کو زبان کی درستگی، ترتیب اور استدلال کے لحاظ سے سنوارتا ہے، اس لیے خود اس کا اسلوب صاف و معیاری ہونا چاہیے۔ پانچواں وصف جدید تحقیقی ذرائع سے واقفیت ہے؛ آج کے دور میں ڈیجیٹل لائبریریوں، فہرستوں اور حوالہ جاتی نظام سے آگاہ نگران طالب علم کا بہت سا وقت بچا سکتا ہے۔ ان علمی اوصاف کا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی تحقیق کا رخ درست رہتا ہے، بنیادی غلطیاں ابتدائی مرحلے ہی میں پکڑی جاتی ہیں اور مقالہ علمی وقار کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔

اخلاقی اوصاف: دیانت، شفقت اور غیر جانبداری

نگران کے اخلاقی اوصاف اس کے علمی اوصاف سے کم اہم نہیں۔ سب سے پہلا اخلاقی وصف دیانت و اخلاص ہے؛ نگران طالب علم کے کام کو اسی کی محنت سمجھ کر آگے بڑھائے، اس کے خیالات کو اپنے نام سے استعمال نہ کرے اور اس کی غلطیوں کو بھی علمی امانت کے ساتھ درست کرے۔ دوسرا وصف شفقت و صبر ہے؛ تحقیقی طالب علم اکثر الجھن، مایوسی اور وقت کی کمی کا شکار ہوتا ہے، اس مرحلے پر نگران کی حوصلہ افزائی اور نرم رہنمائی اسے کام جاری رکھنے کی ہمت دیتی ہے، جبکہ سختی و بے رخی اسے میدان چھوڑنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ تیسرا وصف غیر جانبداری و انصاف ہے؛ نگران سب طالب علموں کو یکساں توجہ دے، تعلق و پسند کو سفارش کا ذریعہ نہ بنائے اور جانچ میں اصول ایک جیسے رکھے۔ چوتھا وصف رازداری و ذمہ داری ہے؛ طالب علم کے مسودات و خیالات اس کے پاس امانت ہوتے ہیں، انہیں اس کی اجازت کے بغیر دوسروں تک پہنچانا درست نہیں۔ پانچواں وصف وقت کی پابندی و باقاعدگی ہے؛ نگران کو مشاورت کے اوقات مقرر کر کے ان کی پابندی کرنی چاہیے، مسودہ مناسب وقت میں پڑھ کر واپس کرنا چاہیے، کیونکہ طالب علم کا پورا شیڈول اسی رفتار سے جڑا ہوتا ہے۔ چھٹا وصف یہ ہے کہ نگران سرپرستی کے ساتھ علمی آزادی بھی دے؛ وہ طالب علم کو درست راستے پر لگائے مگر اس کی سوچ کو اپنی رائے کا پابند نہ بنا دے، کیونکہ تحقیق کا مقصد نقل کرنے والے نہیں، سوچنے والے محقق پیدا کرنا ہے۔ اسی توازن کا نام اچھی نگرانی ہے: رہنمائی پورے اخلاص سے، مداخلت صرف اصولوں کی حد تک۔

عملی کردار: خاکے سے زبانی امتحان تک رہنمائی

نگران کے اوصاف کا عملی اظہار اس کے مرحلہ وار کردار میں نظر آتا ہے۔ خاکے کے مرحلے پر نگران موضوع کی حدود، بنیادی سوال، طریقہ کار اور ابواب کی مناسبیت جانچتا ہے اور ایسی اصلاحات تجویز کرتا ہے جن سے آگے کا کام آسان ہو جائے۔ حصولِ مواد کے مرحلے پر وہ معتبر مآخذ کی نشاندہی کرتا ہے، طالب علم کو نایاب کتب و کتب خانوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور غیر متعلق مواد کے انبار سے بچاتا ہے۔ تحریر کے مرحلے پر وہ باب بہ باب مسودات پڑھ کر زبان، ترتیب، استدلال و حوالہ جات پر تحریری آراء دیتا ہے؛ اچھی نگرانی کی علامت یہ ہے کہ آراء واضح و مشخص ہوں، محض عمومی تعریف یا عمومی اعتراض سے طالب علم کو راستہ نہیں ملتا۔ نظرِ ثانی کے مرحلے پر وہ حتمی مسودے کو

ادارے کے فارمیٹ و معیار کے مطابق جانچتا ہے، اور زبانی امتحان کی تیاری میں طالب علم کو اپنے کام کے دفاع کا اعتماد دیتا ہے۔ نگران کا ایک اہم عملی فرض مسئلے کی صورت میں بروقت اطلاع و حل کی تجویز بھی ہے؛ مثلاً اگر منتخب موضوع پر مواد نہ مل رہا ہو تو متبادل راستہ بتانا بھی اسی کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ ان تمام کرداروں سے معلوم ہوتا ہے کہ نگران محض دستخط کرنے والا افسر نہیں بلکہ پوری تحقیق کا عملی سرپرست ہے۔ طالب علم کی طرف سے بھی ادب، پابندیِ وقت، آراء پر سنجیدہ غور اور رابطے کی باقاعدگی اس رشتے کو کامیاب بناتی ہے؛ نگرانی یک طرفہ نہیں، دوطرفہ علمی تعلق ہے۔

جدول 1: نگرانِ مقالہ کے اوصاف کا خلاصہ

مقالے پر اثر	وصف	زمرہ
مواد کی درست جانچ و سمت	تخصص و مہارت	علمی
عملی الجھنوں سے بروقت بچاؤ	تحقیقی تجربہ	علمی
کتابیات جدید و جامع بنتی ہے	تازہ مطالعہ و جدید ذرائع سے واقفیت	علمی
طالب علم کا حق و محنت محفوظ	دیانت و اخلاص	اخلاقی
طالب علم کام مکمل کرنے کی ہمت برقرار رکھتا ہے	شفقت، صبر و حوصلہ افزائی	اخلاقی
شیڈول برقرار، غلطیاں بروقت درست	باقاعدہ مشاورت و بروقت آراء	عملی

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ نگرانِ مقالہ کے اوصاف تین بڑے دائروں میں آتے ہیں: علمی اوصاف میں تخصص، تحقیقی تجربہ، مطالعے کی وسعت و تازگی، زبان پر گرفت اور جدید ذرائع سے واقفیت؛ اخلاقی اوصاف میں دیانت و اخلاص، شفقت و صبر، غیر جانبداری، رازداری اور وقت کی پابندی؛ اور عملی کردار میں خاکے کی جانچ، مآخذ کی نشاندہی، باب وار آراء،

حتمی نظر ثانی اور زبانی امتحان کی تیاری میں رہنمائی۔ ان اوصاف کا حاصل ایک ایسی تحقیق ہے جو معیاری بھی ہو اور وقت پر بھی مکمل ہو۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ نگران کو صرف ایک انتظامی ضرورت نہ سمجھے بلکہ اس کی رہنمائی سے بھرپور فائدہ اٹھائے، باقاعدگی سے رابطہ رکھے اور اس کی آراء کو اپنی تحقیق کی بہتری کا ذریعہ بنائے؛ کیونکہ اچھی نگرانی اور سنجیدہ طالب علمی کا ملاپ ہی معیاری مقالے کی ضمانت ہے۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: اقتباس کے ضروری قواعد اور اقتباس کے استعمال میں پیشِ نظر رکھے جانے والے احتیاطی امور تحریر کیجیے۔

تعارف

اقتباس تحقیق کی تحریر کا وہ جز ہے جس میں محقق کسی مصنف کی عبارت کو بعینہٖ اپنے مقالے میں نقل کرتا ہے۔ ہر تحقیق میں اقتباس ناگزیر ہوتا ہے، کیونکہ بعض باتیں اصل عبارت ہی میں اپنا پورا ثبوت و اثر رکھتی ہیں؛ کسی اہم تعریف، کسی آیت و حدیث کے متن، یا کسی ماہر کی فیصلہ کن رائے کو اپنے الفاظ میں بدل دینا اس کی قوت کو کم کر دیتا ہے۔ مگر اقتباس ایک ذمہ داری بھی ہے: اصل عبارت کو بدل کر پیش کرنا، سیاق سے کاٹ کر اس کا مفہوم تبدیل کر دینا یا اقتباس کو اپنا کلام ظاہر کرنا علمی بددیانتی ہے۔ اسی لیے اصولِ تحقیق میں اقتباس کے باقاعدہ قواعد طے کیے گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ احتیاطی امور بھی بیان کیے گئے ہیں جنہیں پیشِ نظر رکھے بغیر اقتباس فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔ اس جواب میں پہلے اقتباس کے ضروری قواعد، پھر اس کے استعمال کی احتیاطیں تفصیل سے تحریر کی جائیں گی۔ یہ امور BS مقالے کی تحریر میں روزمرہ پیش آتے ہیں، اس لیے طالب علم کے لیے ان کی عملی سمجھ نہایت ضروری ہے۔

اقتباس کے ضروری قواعد

اقتباس کا پہلا قاعدہ یہ ہے کہ عبارت کو بعینہٖ اور ہو بہو نقل کیا جائے؛ اصل کے الفاظ، ترتیب اور املا میں محقق اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اگر اصل متن میں کوئی واضح غلطی نظر بھی آئے تو اسے اسی طرح نقل کر کے قوسین میں وضاحت یا حاشیے میں نوٹ دیا جاتا ہے، اصل متن کو خاموشی سے درست کر دینا اصول کے خلاف ہے۔ دوسرا قاعدہ واوین (quotation marks) کا استعمال ہے؛ مختصر اقتباس کو براہِ راست یا اکہرے واوین میں بند کر کے متن کے اندر ہی شامل کیا جاتا ہے تاکہ قاری کو معلوم رہے کہ یہ الفاظ محقق کے نہیں ہیں۔ تیسرا قاعدہ طویل اقتباس کی صورت سے متعلق ہے؛ اگر اقتباس تین یا سطروں سے لمبا ہو تو اسے الگ پیراگراف کی صورت میں، عموماً کنارے سے اندر کی طرف اور واوین کے بغیر پیش کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی شناخت نمایاں رہے۔ چوتھا قاعدہ حذف کی علامت ہے؛ اگر اقتباس کے درمیان سے کوئی غیر ضروری حصہ حذف کیا جائے تو اس جگہ نقاط (۔۔۔) لگا کر قاری کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہاں عبارت چھوڑی گئی ہے، بغیر علامت کے حذف کرنا تحریف کے مترادف ہے۔ پانچواں قاعدہ اضافے کی صورت ہے؛ اگر وضاحت کے لیے محقق کو اقتباس کے اندر اپنا کوئی لفظ بڑھانا پڑے تو اسے بڑے قوسین [ ] میں لکھا جاتا ہے تاکہ وہ اصل سے الگ پہچانا جائے۔ چھٹا قاعدہ حوالے کی لازمی موجودگی ہے؛ ہر اقتباس کے فوراً بعد یا حاشیے میں اس کا مکمل حوالہ، مصنف، کتاب، طبع اور صفحہ نمبر کے ساتھ دیا جاتا ہے، بلا حوالہ اقتباس نامکمل اور مشکوک ہوتا ہے۔ ساتواں قاعدہ یہ ہے کہ آیات و احادیث کے اقتباس میں خاص احتیاط برتی جائے: آیت کا حوالہ سورت و آیت نمبر کے ساتھ، اور حدیث کا حوالہ کتاب، کتاب الباب اور نمبر کے ساتھ جہاں ممکن ہو دیا جائے، اور ترجمہ شامل ہو تو یہ واضح کیا جائے کہ ترجمہ کس کا ہے یا محقق کا اپنا ہے۔ ان قواعد کی مجموعی روح ایک ہی ہے: قاری کو ہر لمحہ معلوم رہے کہ کون سی بات اصل ماخذ کی ہے اور کون سی محقق کی، اور وہ چاہے تو اصل تک جا کر تصدیق کر سکے۔

اقتباس کے استعمال میں احتیاطی امور

قواعد کے ساتھ ساتھ اقتباس کے استعمال میں چند احتیاطی امور پیشِ نظر رکھنا بھی اسی قدر ضروری ہے۔ پہلی احتیاط اعتدال ہے؛ مقالہ اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر محقق ہر نکتے پر لمبے لمبے اقتباسات بھر دے تو مقالہ اس کی اپنی تحقیق کے بجائے دوسروں کی تحریروں کا البم بن جاتا ہے اور اس کی اپنی تجزیاتی صلاحیت کہیں نظر نہیں آتی۔

اصول یہ ہے کہ اقتباس وہیں لیا جائے جہاں اصل عبارت کا ثبوت یا اس کی فیصلہ کن حیثیت درکار ہو؛ عام نکات کو اپنے الفاظ میں حوالے کے ساتھ پیش کرنا بہتر ہوتا ہے۔

دوسری احتیاط سیاق و سباق کی رعایت ہے؛ کسی عبارت کو اس کے اصل تناظر سے کاٹ کر ایسے مفہوم میں استعمال کرنا جو مصنف کا مقصود ہی نہ ہو، اقتباس کی سب سے بڑی خلاف ورزی ہے، خصوصاً اختلافی مباحث میں یہ روش علمی دیانت کے خلاف ہے۔ تیسری احتیاط اصل ماخذ سے اقتباس لینے کی ہے؛ جہاں تک ممکن ہو اقتباس اسی اصل کتاب سے لیا جائے جس کی عبارت ہے، دوسری کتابوں کے واسطے سے لیا گیا اقتباس اگر لینا بھی پڑے تو واسطے کا ذکر لازمی ہے، جیسا کہ حوالے کے اصول میں بیان ہوا۔ چوتھی احتیاط ترجمے سے متعلق ہے؛ ترجمہ شدہ اقتباس کو اصل عبارت کہہ کر پیش نہیں کرنا چاہیے، اور عربی یا کسی اور زبان کے اقتباس کا ترجمہ شامل کرتے وقت امانت دارانہ ترجمے کی کوشش کی جائے۔ پانچویں احتیاط تصدیق ہے؛ نقل کے بعد اقتباس کو اصل سے ملا کر ضرور جانچا جائے، کیونکہ نقل میں ایک لفظ کی تبدیلی بھی مفہوم بدل سکتی ہے۔ چھٹی احتیاط متروک و متنازعہ کتب کے اقتباسات میں توازن کی ہے؛ ایسی عبارت کا اقتباس دینا ہو تو اس کی حیثیت پر وضاحتی نوٹ کا اہتمام ہو۔ ساتویں احتیاط یہ ہے کہ اقتباس کے بعد محقق اپنی طرف سے اس نکتے کا خلاصہ، ربط یا مختصر تجزیہ ضرور دے، تاکہ اقتباس مقالے کی رگ و پے میں جذب نظر آئے، چسپاں کیا ہوا ٹکڑا نہ لگے۔ ان احتیاطوں پر عمل کرنے سے اقتباس مقالے کی کمزوری کے بجائے اس کی سب سے بڑی قوت بن جاتا ہے۔

جدول 1: قواعد و احتیاطوں کا خلاصہ

خلاف ورزی کا نقصان	مطلب	قاعدہ / احتیاط
معنی کی تحریف و بد دیانتی	اصل الفاظ و ترتیب برقرار	ہو بہو نقل
دوسرے کا کلام اپنا لگنے کا الزام	اقتباس کی واضح شناخت	واوین / الگ پیراگراف
قاری دھوکے میں، عبارت مشکوک	ہر تبدیلی کی نشاندہی	حذف پر نقاط، اضافے پر قوسین
تصدیق ناممکن، اقتباس بے وزن	مصنف، کتاب، صفحہ ساتھ ہو	مکمل حوالہ

مقالہ البم بنتا ہے، مفہوم بگڑتا ہے	اقتباس بقدرِ ضرورت، تناظر کے ساتھ	اعتدال وسیاق کی رعایت

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ اقتباس کے ضروری قواعد میں ہو بہو نقل، واضح ماخذ، طویل اقتباس کی الگ پیشکش، حذف پر نقاط اور اضافے پر قوسین کی علامات، مکمل حوالے کی لازمی موجودگی اور آیات و احادیث میں خصوصی دقت شامل ہیں۔ اس کے استعمال کی احتیاطوں میں اعتدال، سیاق وسباق کی رعایت، اصل ماخذ سے اقتباس، ترجمے میں صداقت، نقل کے بعد اصل سے تصدیق، متنازعہ مواد میں وضاحتی توازن اور اقتباس کے بعد اپنے جملے کا اضافہ نمایاں ہیں۔ ان دونوں پہلوؤں کی بنیاد ایک ہی اصول ہے: علمی امانت۔ جو محقق اقتباس کو اس امانت کے ساتھ برتتا ہے، اس کا مقالہ مآخذ کی مضبوطی سے بھی مالامال ہوتا ہے اور اس کی اپنی علمی شخصیت بھی اس میں نمایاں رہتی ہے؛ یہی متوازن انداز BS کے طالب علم کو اپنی تحریر میں اختیار کرنا چاہیے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com